اداریہ
مدیر اعلیٰ

پیغام سیرت

تصوف اور احسان و سلوک

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد

تصوف کہیے یا احسان و سلوک، یہ شریعت اسلامی کا اہم ترین عنوان اور اس کا ناگزیر حصہ ہے، احادیث میں اور اس سے بھی پہلے قرآن کریم نے اس کے لیے تزکیے کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ تزکیے کا بنیادی مقصد فرد کی داخلی اصلاح ہے، جس سے اس کا کردار نکھر سکے، تاکہ وہ دنیا میں رہ کر اپنی آخرت کی تعمیر کر سکے اور معاشرے کے لیے مفید اور کارآمد شہری بن سکے۔ اس پورے نظام کو جنھوں نے چلایا اور اپنی عملی زندگی میں برت کر دکھایا انہیں صوفیہ کہا جاتا ہے۔ صوفیہ نے جو بات سب سے پہلے محسوس کی وہ یہ تھی کہ انسان بہت سی جہات رکھنے والی ایک پیچیدہ مخلوق ہے۔ اس کے جذبات، خیالات، پسند ناپسند، ضرورتیں اور داخلی و خارجی امکانات اسے توجہ طلب بنا دیتے ہیں۔ قرآن کریم کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی دو طرح کی مخلوقات ہیں۔ ایک وہ جنھیں عام طور جان دار سمجھا جاتا ہے، اور دوسری وہ جو جان دار نہیں سمجھی جاتیں، پہاڑ، صحرا، سمندر، وغیرہ اس میں شمار ہوتے ہیں۔ ان تمام مخلوقات میں انسان سب سے زیادہ تکریم و اعزاز کا حق دار ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم نے صرف انسان کے لیے یہ فرمایا:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ [1]

سو جب میں اس کو پوری طرح بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں۔

۱۔ الحجر: ۲۹

اور امام احمد کی ایک روایت ہے:

ان الله خلق آدم علی صورته[۲]

بلاشبہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق کیا ہے۔

اب یقیناً یہ بات قابل تشریح و توضیح ہے کہ یہاں اللہ کی صورت سے کیا مراد ہے؟ اور اہل علم نے اس حوالے سے مختلف تفاسیر اور تعبیرات پیش کی ہیں، مگر اس سے ایک بات تو وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ انسان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کچھ خاص امتیازی اعزاز و اکرام کا معاملہ فرمایا ہے۔ خواہ اس اعزاز و اکرام کی حقیقت ہم جان سکیں، یا وہ ہماری فہم و ادراک سے ماوراء ہو۔

اس لیے انسان اپنے اس اعزاز و اکرام کی وجہ سے کچھ خاص احکامات کا پابند بھی ہے، کیوں کہ یہ ثابت شدہ اصول ہے:

جن کے رتبے ہیں سوا، ان کی سوا مشکل ہے

اسی بنا پر انسان کے لیے اپنی زندگی کے معاملات چلانے کے لیے اپنے ظاہر و باطن دونوں کو سنوارنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ در حقیقت انسان دو حصوں میں منقسم ہے، ایک جسم ہے، دوسری روح ہے، جو ایک مختصر وقت کے لیے جسم میں قیام کرتی ہے۔ اسی قیام کی برکت سے یہ جسم حرارت پاتا اور زندہ رہتا ہے۔ جب روح کے قیام کا دورانیہ مکمل ہو جاتا ہے، تو انسان کی دنیاوی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ یہ جسم فانی ہے، جب کہ روح باقی رہنے والی ہے۔ اس جسم کی حفاظت ہماری ذمے داری ہے، اسے ہر طرح کے ضرر اور نقصان سے بچانا ہم پر لازم ہے، مگر اس جسم کو بہت سے خطرات روح کے مسائل کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ انسان کے اندرون میں ایک اور انسان آباد ہے، اس کی دنیا ایک الگ دنیا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا ان فی الجسد مضغة، ان صلحت صلح الجسد كله و ان فسدت فسد الجسد كله، الا و هی القلب[۳]

انسانی جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست رہتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے، اور اگر وہ خراب ہو جائے تو پورا وجود خراب ہو جاتا ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ وہ ٹکڑا دل ہے۔

۲۔ احمد۔ المسند: ج ۲، ص ۴۹۶، رقم ۷۳۲۷۔ حمیدی۔ المسند: ج ۲، ص ۴۷۶، رقم ۱۱۲۱، ۱۱۲۰

۳۔ بخاری۔ الصحیح: ج ۱ ص ۲۸، رقم ۵۲۔ مسلم۔ الصحیح: ج ۲، ص ۱۲۱۹، رقم ۱۵۹۹

تصوف دراصل اس دل کی اصلاح کا نام ہے۔ انسان جب کسی کو تکلیف پہنچاتا ہے، کسی کا حق مارتا ہے اور کسی کے مقام اور اس کی ترقی سے دل میں گھٹن اور کڑھن محسوس کرتا ہے، تو ان سب صورتوں میں اس کا سبب اس کی وہ کیفیات ہوتی ہیں جو جسم سے نہیں روح سے تعلق رکھتی ہیں۔

حدیث جبریل میں بھی اس کی اہمیت کو احسان کی اصطلاح سے بیان کیا گیا ہے، چناں چہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ہمارے سامنے ایک شخص آیا، جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت سیاہ تھے، نہ اس پر سفر کا کچھ اثر تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اسے جانتا تھا، یہاں تک کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اس نے اپنے گھٹنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے سے ملا دیے اور اپنے دونوں ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیے اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کے بارے میں بتایے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تو (اس بات کی) گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور یہ کہ تو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور تو رمضان کے روزے رکھے اور تو بیت اللہ کا حج کرے، اگر اس کے راستے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اس نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال بھی کرتا ہے اور پھر خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

پھر اس نے کہا کہ آپ مجھے ایمان کے بارے میں بتایے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر اور اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان لائے۔ اس شخص نے (پھر) کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

پھر اس نے کہا کہ آپ مجھے احسان کے بارے میں بتایے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ (تصور) نہ ہو سکے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے تو (پھر یہ خیال کر کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

پھر اس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

پھر اس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس کی نشانیاں بتا دیجیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور تو ننگے جسم والے قلاش اور چرواہوں کو دیکھے گا کہ وہ بڑی بڑی عمارتوں میں اترائیں گے اور فخر کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ چلا گیا اور میں بہت دیر تک ٹھہرا رہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر کیا تم جانتے ہو کہ سوال کرنے والا کون تھا؟

میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ (۴)

اس روایت میں ہماری توجہ کا مرکز اس وقت لفظ احسان ہے، یہ احسان کیا ہے؟ اس کے مراتب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احسان کا پہلا مرتبہ عارف کے احوال اور اس کی ارادت قلبیہ کی طرف اشارہ ہے، یعنی سالک پر ایسا حال طاری ہو جائے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اور احسان کے دوسرے مرتبے میں عابد کے علم کی طرف اشارہ ہے، یعنی جس وقت کوئی مسلمان عبادت کرے تو اس علم کے ساتھ کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ (۵)

ملا علی قاری رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ عبادت کرنے والوں کے حساب سے ایمان کے تین درجات ہیں:

الف: ایک وہ شخص جو عذاب کے خوف اور ثواب کے لالچ میں عبادت کرتا ہے۔ اس کا ایمان علم الیقین کے مرتبے میں ہے، اور اس کی اطاعت کو عبادت کہتے ہیں۔

ب: دوسرا وہ ہے جو اللہ کے حکم کی تعمیل اطاعت کے شوق سے کرتا ہے۔ اس کا ایمان عین الیقین کے مرتبے میں ہے اور اس کی اطاعت کو عبودیت کہتے ہیں۔

۴۔ مسلم: ج۱، ص ۵۳، رقم ۱۰، ۹۔ بخاری: ج۱، ص ۲۰، رقم ۵۰۔ ابو داود۔ السنن: ج ۴ ص ۲۳۳، رقم ۴۶۹۵۔ ترمذی۔ الجامع السنن: ج ۴، ص ۲۷۵، رقم ۲۶۱۹۔

۵ ملا علی قاری: مرقاۃ المفاتیح: ج۱، ص ۶۱

ج: تیسرا وہ شخص ہے جو اللہ کی عبادت محض اس نیت سے کرتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور بندے کا یہ ہی کام ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کی اطاعت کرے۔ اس شخص کا ایمان حق الیقین کے درجے میں ہے۔ اور اس کی اطاعت کو عبودہ کہتے ہیں۔

احسان کے پہلے مرتبے سے مراد اصحاب حق الیقین ہیں۔ احسان کے دوسرے مرتبے سے مراد اصحاب عین الیقین ہیں، رہے ہم لوگ تو ایمان کے تیسرے درجے کے لوگ ہیں، جن کا ایمان علم الیقن کے درجے کا ہے۔[۶]

آغاز میں ہم تصوف اور اس کے سلسلے میں استعمال ہونے والی بعض اصطلاحات کی وضاحت درج کرتے ہیں، تاکہ ہمارے لیے آگے چل کر اپنی بات کی وضاحت آسان ہو سکے۔

تصوف

تصوف کے لفظی معنی صوفی بننا، صوفیوں کی طرح رہنا۔ ان جیسے اعمال و اخلاق اختیار کرنا۔
اصطلاحاً یہ اصلاح نفس کا ایک طریقہ ہے جس کا مدار سادہ زندگی، قربِ الٰہی، اخلاقی اور روحانی بلندی پر ہوتا ہے۔

صوفی

وہ درویش ہے جو اللہ کی یاد میں مستغرق ہو اور مخصوص آداب و اصول کا پابند، جن سے قرب الٰہی، اخلاقی صوفی اور روحانی بلندی حاصل ہوتی ہے۔

علم التصوف

علم تصوف ان مخصوص اصولوں، اور مخصوص آداب اور اخلاق کا مجموعہ ہے، جن پر اہل تصوف یقین رکھتے ہیں اور اپنی خلوت و جلوت میں جن کے وہ حامل ہوتے ہیں۔

لفظ صوفی کے مشتقات

۱۔ صُوْف: ابتدائی زمانے میں صوفی عام طور پر اونی لباس پہنتے تھے، اس لیے سادہ لباس پہننے

۶۔ مرقاۃ: ج۱، ص۶۱

والے کو صوفی کہا جانے لگا۔

۲۔ صَفَا: بعض اہل علم نے کہا کہ لفظ صوفی، صفا سے نکلا ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ صاف ہونا، دل کو صاف کرنا، نیت کو صاف کرنا اور اعمال کو صاف کرنا وغیرہ۔

۳۔ صُفّیّ: بعض نے کہا کہ یہ صُفّہ سے مشتق ہے۔ کیوں کہ صفہ پر صحابہ کرام کی ایک جماعت رہتی تھی جو ہر وقت اللہ کی یاد اور حصول دین میں مشغول رہتی تھی۔ (۷)

اس سلسلے میں استعمال ہونے والا دوسرا لفظ احسان ہے، جو حدیث جبریل میں وضاحت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ اس کی وضاحت بھی ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

احسان

بہتر سے بہتر کرنے اور اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کو احسان کہتے ہیں۔

سلوک

اس ضمن میں تیسرا لفظ سلوک ہے، جو عام طور پر استعمال ہوتا ہے، لفظ سلوک سے مراد وہ راستہ ہے جو آدمی کو اللہ کے قریب کر دے۔ دوسرے دینی شعبوں یعنی علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم سیرت، علم اخلاق، علم کلام، وغیرہ کی طرح تصوف اور سلوک بھی شریعت اسلام کا ایک اہم ترین اور ناگزیر حصہ ہے۔ اس کی بنیاد قرآن کریم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کا تعامل ہے۔ جس طرح دوسرے دینی شعبے ضرورت کے تحت صحابہ کرام کے بعد مرتب ہوتے رہے، اسی طرح تصوف بھی صحابہ کرام کے بعد تابعین کے زمانے میں منظم و مرتب ہونا شروع ہوا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بڑے تابعین میں سے تھے۔ یہ اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور صوفیوں کے امام تھے۔ ان کے بعد تصوف آہستہ آہستہ منظم، اور ایک علیحدہ ضمن کی صورت میں مرتب و متعارف ہوتا چلا گیا۔

بیعت

تصوف اور سلوک کا سلسلہ بیعت سے شروع ہوتا ہے، اور بیعت آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت امارت کے علاوہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف مواقع پر مختلف

۷۔ عبدالقادر عیسی۔ حقائق عن التصوف، مطبوعہ حلب سن ۲۰۰۷ء: ص ۲۰

امور کے لیے بیعت لی۔ مثلاً ایمان باللہ پر بیعت، نماز کی پابندی پر بیعت، اعمال صالحہ کرنے اور گناہ کے کام چھوڑنے کی بیعت، جہاد کی بیعت، شرک، زنا، چوری اور اولاد کو قتل نہ کرنے کی بیعت وغیرہ۔

حضرت مولانا زوار حسین رحمۃ اللہ علیہ بیعت کی ضرورت کے بارے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ باطنی کمالات کا حاصل کرنا واجب ہے اور اس کے حاصل کرنے کے کئی طریقے ہیں، مثلاً قرآن مجید کی تلاوت کرنا، درود شریف کثرت سے پڑھنا اور اللہ کے ناموں میں سے کسی نام کے ذکر پر ہمیشہ قائم رہنا اور کثرت کرنا وغیرہ، لیکن چوں کہ یہ راستہ (اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا) نہایت نازک اور دشوار ہے اور نفس و شیطان انسان کے کھلے دشمن ہیں اور ہر وقت انسان کو سیدھے راستے سے گم راہ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O[8]

بے شک نفس برائی کا حکم کرتا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔ بے شک میرا رب بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

نیز فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ O[9]

بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اس لیے کسی شیخ کامل کی بیعت کے بغیر چارہ نہیں، اور بزرگوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ نزدیک کا راستہ یہ ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا قانون بھی اسی طرح جاری ہے کہ جس طرح انسان ظاہر کی خوبیوں اور ہنروں کو اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مل کر حاصل کرتا ہے اور استاد کی شاگردی حاصل کیے بغیر کوئی فن آسانی اور صحیح طریقے سے نہیں سیکھ سکتا، برخلاف حیوانات کے کہ ان کے کمالات پیدائشی ہیں اور سیکھنے کے طور پر کم حاصل کرتے ہیں۔ چناں چہ پانی میں تیرنا حیوانات کا پیدائشی کمال ہے، اور انسان بغیر سیکھے تیر نہیں سکتا۔ اسی طرح انسان باطنی کمالوں کو بھی اہل طریقت کی بیعت کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔ (الا ماشاء اللہ) جو شخص ظاہری بیعت کے بغیر صاحب کمال ہوتا ہے اس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اویسی کہتے ہیں اگر چہ بہ ظاہر اس کا بیعت کا تعلق زندہ

۸۔ یوسف:۵۰

۹۔ یوسف:۵

پیر سے نہیں ہوتا پھر بھی باطنی تعلق سے وہ بچا ہوا نہیں ہوتا۔ (۱۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا O (۱۱)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ پھر جو شخص عہد شکنی کرے تو اس کی عہد شکنی کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس عہد کو پورا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو بہت جلد اللہ اس کو اجرِ عظیم دے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O (۱۲)

اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے اور ان کے بدلے میں ان کو جنت عطا فرمادی۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، وہ قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں۔ اللہ کا یہ سچا وعدہ تورات اور انجیل میں بھی ہے اور قرآن میں بھی۔ سو اللہ سے زیادہ سچے وعدے والا کون ہے۔ سو تمہیں اس خرید و فروخت پر خوش ہوجانا چاہیے اور یہ ہی عظیم کامیابی ہے۔

آیت میں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت رضوان ہے، جو عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر ببول کے ایک درخت کے نیچے حدیبیہ کے میدان میں اس وقت ہوئی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیغام دے کر مکے بھیجا تھا اور قریش نے ان کو وہیں روک لیا تھا اور بعد ازاں ان کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی تھی۔ اس سے آپ کو اور مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

۱۰۔ مولانا سید زوار حسین۔ عمدۃ السلوک۔ کراچی سن ۲۰۱۵ء: تصرفاً ص ۴۳، ۴۴

۱۱۔ الفتح: ۱۰

۱۲۔ التوبہ: ۱۱۱

کہ اب ہم یہاں سے فیصلہ کیے بغیر نہیں ہٹیں گے۔ اس وقت آپ ببول کے ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جہاد پر بیعت لی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہتے تھے کہ ہم لڑتے لڑتے مر جائیں گے اور ہرگز کسی صورت میں میدان سے منہ نہ موڑیں گے۔ تقریباً ۱۴سو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی۔ بعض روایتوں میں ۱۳سو اور ۱۶سو کی تعداد بھی آئی ہے۔ اسی کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ اس بیعت سے پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہوگئی، اور وہ مسلمانوں سے صلح کی درخواست کرنے لگے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر بیعت کی ضرورت اور اس میں شرائط کا بیان کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (۱۳)

> اے نبی! جب مومن عورتیں اس پر آپ سے بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھیں گی اور نہ امور شریعت میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر مسلمان عورتیں ہجرت کرکے آپ کے پاس آئیں اور اس پر بیعت کریں کہ وہ شرک نہیں کریں گی، چوری اور زنا سے بچیں گی، جاہلیت کی رسم کے مطابق اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن نہیں کریں گی اور نہ جان بوجھ کر غیر کے بچے کو اپنے شوہر سے منسوب کریں گی اور نہ کسی اچھے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کیا کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اس لیے وہ آپ کی استغفار اور دعا کی برکت سے ان کی کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف فرمادے گا اور ان کو اپنی رحمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔

۱۳۔ الممتحنہ: ۱۲

قربِ الٰہی کا حصول

تصوف کا اہم ترین ہدف دراصل مقصد قربِ الٰہی کا حصول ہے، یہ مقصد حاصل کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری اور اس کے لیے تگ و دو کرنا ہر صاحبِ ایمان کا فریضہ ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے اہلِ تصوف و سلوک نے کچھ راستے اور ذرائع اختیار کیے ہیں۔ حضرت مولانا سید زوار حسین اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے متعدد طریقے ہیں لیکن سب سے زیادہ قریب اور آسان طریقہ توسلِ شیخ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَابتَغُوٓا اِلَیہِ الوَسِیلَۃَ [۱۴]

اور اللہ کی طرف پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو۔

اس لیے پیر کی تلاش ضروری ہے اور اس میں جلد بازی سے کام نہ لے بل کہ جس سے بیعت کا ارادہ ہو پہلے یہ دیکھے کہ اس میں شرع کی پابندی کیسی ہے۔ جو شرع کا پابند نہ ہو اس کی بیعت ہرگز نہ کرے اگرچہ اس سے خوارقِ عادت ظاہر ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تُطِعْ مِنھُمْ اٰثِمًا اَوْ کَفُوْرًا ۝ [۱۵]

ان میں سے گناہ گار اور کافر کی اطاعت نہ کر۔

گناہ گار کی محبت کافر کی صحبت سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ کیوں کہ کافر کا کفر تو ظاہر ہے۔

چناں چہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ وَ کَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا ۝ [۱۶]

اور اس کی بات کی نہ مانیے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہو گیا اور اس کا معاملہ سب سے بڑھ گیا۔

علمِ باطنی ایک پوشیدہ امر ہے اور پوشیدہ امر میں سچ اور جھوٹ صحیح اور غلط میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ جہاں بڑے نفع کی امید ہوتی ہے وہیں بڑے بھاری نقصان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ جہاں خزانہ ہوتا ہے وہیں

۱۴۔ المائدہ:۳۵

۱۵۔ الدھر:۲۴

۱۶۔ الکہف:۲۸

ڈاکواور چور کا کھٹکا ہوتا ہے اور نفس اس باطنی خزانے کا ڈاکواور شیطان اس کا چور ہے۔ بہت سے شیطان جیسی عادتوں والے انسان پیری و مرشدی کا دعویٰ کرتے ہیں اور جاہلوں اور کم علم لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں۔ پیر کے صحیح ہونے کی سب سے بہتر اور قوی دلیل وہی ہے جو حدیث سے ثابت ہے کہ اس کی صحبت اور اس کے دیکھنے سے اللہ یاد آتا ہے اور دل اللہ تعالیٰ کے غیر سے بے زار ہو جاتا ہے۔ (۱۷)

بیعت کی قسمیں

حضرات صوفیہ کے ہاں بیعت کے کئی طریقے رائج ہیں۔

۱۔ گناہوں سے توبہ کے لیے بیعت۔

۲۔ تبرکاً بیعت کرنا۔ یعنی حصول برکت کے لیے بزرگوں کے سلسلے میں داخل ہونا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو سچے دل سے پورا کرنے اور منع کیے ہوئے کاموں سے بچنے کا پختہ ارادہ کرنا اور دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے پیدا کرنا۔

یہی تیسرا طریقہ اصل ہے۔ اس میں بیعت کو پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دے اور مجاہدے اور ریاضت پر قائم رہے، یہاں تک کہ دل اطمینان کے نور سے روشن ہو جائے اور کسی ارادے کے لیے بغیر اس کی عادت اور دوسری طبیعت بن جائے۔ (۱۸)

رہبانیت

رہبانیت کے معنی کنارہ کشی کے ہیں۔ قرآن نے رہبانیت کی ممانعت کی ہے۔ رہبانیت اس کو کہتے ہیں کہ زندگی کے تمام اسباب اور وسائل کی نفی کر کے انسان شادی بیاہ، خاندان، دوست احباب، کاروبار، لین دین، میل ملاپ وغیرہ سب کو ختم کر کے جنگل یا کسی گرجا میں جا بیٹھے۔ عیسائیوں میں آج بھی رہبانیت موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کبھی پسند نہیں فرمایا اور ہمیشہ دنیاوی امور میں پوری دل چسپی لینے کی تلقین فرمائی۔ اگر کبھی کسی نے مجبوری کی وجہ سے کسی ایسے کام کی اجازت چاہی جو ترک دنیا اور رہبانیت کی طرف لے جاتا تھا تو اس سے بھی منع فرمایا۔

۱۷۔ عمدۃ السلوک: ص ۴۹،۴۸ ملخصاً

۱۸۔ عمدۃ السلوک: ۵۸،۵۷ تصرفاً

ایک صحابی نے دنیاوی لوازم اور ضرورتوں سے قطع تعلق کر کے ایک غار میں معتکف ہونے اور تنہائی میں رہ کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند کیا اور فرمایا:

انی لم ابعث بالیھودیة ولا بالنصرانیة، ولکنی بعثت بالحنیفیة السمحة
میں یہودیت یا عیسائیت کی طرح رہبانیت کی تعلیم لے کر نہیں بھیجا گیا، بل کہ میں تو آسان ترین دین حنیف (دین ابراہیمی) دے کر بھیجا گیا ہوں۔ (۱۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رہبانیت اور دنیاوی معاملات سے ترک تعلق کو گویا عملی زندگی سے فرار تصور کرتے تھے اور آپ کے نزدیک یہ طرز عمل نہ تعمیری تھا اور نہ فطرت کے مطابق۔ اس لیے آپ نے جا بہ جا اس کی تردید فرمائی اور عملی طور پر متحرک زندگی گزارنے اور زندگی کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کی تلقین فرمائی۔

قبیلہ باہلہ کے ایک صحابی ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے ایک برس بعد جب وہ دوبارہ آئے تو ان کی شکل وصورت اس قدر تبدیل ہو چکی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پہچان نہیں سکے۔ جب انہوں نے اپنا تعارف کروایا تو آپ نے فرمایا:

فما غیرک وقد کنت حسن الھیئة؟
تمھاری یہ حالت کیسے ہوگئی جب کہ اس سے پہلے تو تم بہت اچھی حالت میں آئے تھے؟
انہوں نے کہا کہ جب سے میں آپ کے پاس سے گیا ہوں مسلسل روزے رکھ رہا ہوں۔
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم عذبت نفسک ثم قال صم شھر الصبر ویوما من کل شھر۔ قال زدنی فان بی قوة، قال: صم یومین قال زدنی قال: صم ثلاثة ایام، قال: زدنی قال: صم من الحرم واترک، صم من الحرم واترک، صم من الحرم واترک (۲۰)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اپنے آپ کو عذاب میں کیوں ڈالا؟ رمضان کے علاوہ ہر ہے میں ایک دن کا روزہ کافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ آپ نے ایک دن کا اور اضافہ فرمایا انہوں نے کہا کہ مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے،

۱۹۔ مسند احمد: ج ۶، ص ۳۵۷، رقم ۲۱۷۸۸
۲۰۔ ابوداود: ج ۲، ص ۳۱۸، رقم ۲۴۲۸

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا ایک مہینے میں تین بار پھر کہ پھر اشہر حرم یعنی حرمت کے مہینوں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے روزے رکھو اور باقی چھوڑ دو۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بہت زیادہ عبادت گزار تھے اور زہد کی جانب خوب میلان تھا۔ انہوں نے عہد کیا کہ وہ ہر دن میں روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کیا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا واقعی تم نے یہ عہد کیا ہے ؟ انہوں نے اقرار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فانک لا تستطیع ذلک، فصم و افطر، و قم و نم و صم من الشھر ثلاثۃ ایام فان الحسنۃ بعشر امثالھا و ذلک مثل صیام الدھر۔ قلت انی اطیق افضل من ذلک۔ قال فصم یوماً و افطر یومین۔ قلت انی اطیق افضل من ذلک قال فصم یوماً و افطر یوماً فذلک صیام داود علیہ السلام۔ و ھو افضل الصیام۔ فقلت انی اطیق افضل من ذلک۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا افضل من ذلک[21]

تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ پس روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ عبادت بھی کرو اور سویا بھی کرو۔ اور ہر ماہ میں صرف تین روزے رکھو اور ہر نیکی دس نیکی کے برابر ہے۔ سو یہ صوم دہر (ساری زندگی روزے رکھنے) کے قائم مقام ہیں۔ عبداللہ نے کہا کہ میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ایسا کرو کہ ایک دن روزہ رکھ کر دو دن چھوڑ دیا کرو۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر ایک دن روزہ رکھا کرو اور ایک دن روزہ نہ رکھا کرو۔ یہ طریقہ بہترین ہے اور حضرت داود علیہ السلام کا طریقہ بھی یہ ہی تھا۔ انہوں نے پھر کہا کہ مجھے اس سے بھی زیادہ طاقت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے زیادہ روزے رکھنا افضل نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں نوجوان ہوں اور مجھے اپنے اوپر بدکاری کا خوف رہتا ہے اور میرے پاس کوئی چیز ایسی نہیں جس پر میں کسی عورت سے شادی کرلوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری

۲۱۔ بخاری: ج۱، ص۴۸۶، رقم ۱۹۷۶

بات سن کر خاموش رہے۔ میں نے دوبارہ اپنی بات دہرائی لیکن اس مرتبہ بھی خاموش رہے۔ میں نے تیسری مرتبہ عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی خاموش رہے۔ میں نے چوتھی مرتبہ عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا اباھریرۃ جف القلم بما انت لاق، فاختص علی ذلک او ذر (۲۲)

اے ابوہریرہ جو کچھ تم کرو گے (لوح محفوظ میں) لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے، خواہ تم خصی ہو جاؤ یا باز رہو۔

یہاں ابھی رہبانیت کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور رہبانیت کی حقیقت کے سلسلے میں چند باتیں عرض کی گئیں، اس حوالے سے ایک اور لفظ بھی استعمال ہوتا ہے تبتل، اس حوالے سے بھی چند باتیں عرض کر دی جاتی ہیں۔

تبتل

تبتل کے لغوی معنی منقطع ہونے کے ہیں اور مفسرین نے اس کے معنی اخلاص کے کیے ہیں۔ رہبانیت کے برعکس تبتل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی زندگی کے تمام معاملات میں شریک رہتے ہوئے کچھ وقت اللہ کی یاد، اس کے ذکر اور اس کی رضا کے لیے وقف کرے۔ باقی وقت میں اپنے دیگر کام اور معاملات انجام دیتا رہے۔ اسلام نے اس پر عمل کا حکم دیا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے اہل و عیال، دوست احباب وغیرہ سب سے تعلقات قائم رکھتے ہوئے اپنے دل کی تمام توجہ اللہ کی طرف رکھے، اس کا باطن اللہ کی یاد سے معمور رہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ (۲۳)

اور آپ اپنے رب کا ذکر کرتے رہیے اور سب کو چھوڑ کر اسی کے ہو جایئے۔

اس آیت میں دو چیزوں کا حکم ہے۔ ایک اس کے نام کا ذکر کرنے کا اور دوسرا سب سے منقطع ہو کر اس کی طرف متوجہ رہنے کا۔ چوں کہ اللہ کا ذکر نماز کے ساتھ مخصوص نہیں اس لئے قیام اللیل کے علاوہ

۲۲۔ بخاری: ج ۳، ص ۳۶۵، رقم ۵۰۶۷

۲۳۔ مزمل: ۸

عام اوقات میں بھی دن رات اسی کی طرف متوجہ رہیے اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیے۔

بعثت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکے کے غار حرا میں جا کر اللہ کا ذکر و مراقبہ اور عبادت کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق بعثت سے سات برس قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روشنی اور نور سا نظر آنے لگا تھا۔[۲۴]

اس نور میں کوئی آواز نہ ہوتی تھی۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں تبدیلی واقع ہونے لگی تھی اور عمر میں اضافے کے ساتھ طبیعت دنیاوی امور سے ہٹتی جاتی تھی اور مزاج میں خلوت گزینی بڑھتی جاتی تھی۔ آپ سامان خورد و نوش یعنی پانی اور ستو وغیرہ لے کر مکہ مکرمہ سے باہر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہو جاتے، آپ شہر نہ لوٹتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خواب میں دیکھتے اس کی تعبیر صبح صادق کی روشنی کی مانند بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی ہوتی تھی۔ پھر آپ کو تنہائی محبوب بنا دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا (یہ کوہ حرا پر واقع ہے۔ آج کل اس پہاڑ کو ''جبل نور'' کہتے ہیں) میں جا کر کئی کئی دن عبادت میں مصروف رہتے (اس عبادت کی کیفیت کیا ہوتی تھی، اس کا کسی حدیث میں ذکر نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تحنّث کا لفظ آیا ہے جس کے معنی تَعَبُّدْ کے ہیں) اور جتنے دن وہاں رہنے کا ارادہ ہوتا اتنے دن کا سامان خوراک ساتھ لے جاتے۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مزید چند روز کے لیے سامان خوراک تیار کرا کر لے جاتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ یہاں تک کہ اس غار حرا میں آپ کے پاس حق یعنی وحی پہنچی اور ایک فرشتے (جبریل امین) نے غار کے اندر آ کر آپ سے کہا ''پڑھیے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اس پر فرشتے نے مجھے دبوچ کر زور سے بھینچا کہ مجھے اس سے تکلیف محسوس ہونے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے۔ میں نے، دوبارہ کہا میں پڑھ نہیں سکتا۔ یہ سن کر اس نے مجھے پھر زور سے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی تو اس نے مجھے چھوڑ دیا

۲۴۔ طبقات: ج۱: ص ۲۲۴

اور کہا کہ پڑھیے میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس نے تیسری مرتبہ مجھے آغوش میں لے کر خوب بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَO خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍO اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُO الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِO عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْO(۲۵)

اپنے پروردگار کا نام سے پڑھئے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھئے آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی اور انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

یہاں پہنچ کر وہ (جبریل امین) خاموش ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے آئے۔(۲۶)

احسان و سلوک پر بحث کرتے ہوئے صحبت شیخ کے حوالے سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے چند اشارے کیے جاتے ہیں۔ اس لیے تصوف کا عملی حصہ بڑی حد تک صحبت شیخ کے گرد گھومتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کی حقیقت خاص طور پر سیرت طیبہ کی روشنی میں ہمارے سامنے آسکے۔

صحبت کا اثر

انسانی اعمال اور اخلاق و کردار صحبت سے جلد اور بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ صحبت اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی۔ اچھی صحبت کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، یعنی اچھی صحبت سے آدمی کے اندر اچھائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بری صحبت کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، یعنی بری صحبت سے آدمی کے اندر برائیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اچھی صحبت کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَO(۲۷)

۲۵۔ العلق: ۱۔۵

۲۶۔ بخاری: ج ۱، ص ۵، رقم ۳

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایمان کے بعد تقوے کا حصول ﷺ اور سچے لوگوں کی صحبت ضروری ہے۔ جس طرح علم حاصل کرنے کے لیے کتاب کا مطالعہ کافی نہیں بل کہ کسی عالم کی صحبت میں رہ کر علم حاصل کرنا ضروری ہے، اسی طرح اعمال وافعال میں اخلاص و پرہیز گاری کے لیے کسی سچے اور پرہیز گار کی صحبت ضروری ہے۔

صدق یعنی سچا کے معنی میں بہت وسعت ہے، اور اعمال واقوال دونوں کی سچائی اس میں داخل ہے۔ مثلاً آدمی جب زبان سے کوئی بات کہے تو سچ کہے اور کسی سے کوئی وعدہ یا قول وقرار کرے تو اس کو ہر حال میں پورا کرے۔ یہ دونوں باتیں ایمان کی بڑی نشانیاں ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البر، و ان البر یهدی الی الجنة، و ما یزال الرجل یصدق و یتحری الصدق حتی یکتب عند الله صدیقا۔ و ایاکم و الکذب، فان الکذب یهدی الی الفجور، و ان الفجور یهدی الی النار و ما یزال العبد یکذب و یتحری الکذب حتی یکتب عند الله کذابا۔ (۲۸)

سچائی اختیار کرو، بلاشبہ سچ بولنا نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور بے شک نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور آدمی سچ بولتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور بے شک جھوٹ بدکاری کا راستہ دکھاتا ہے اور بے شک بدکاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اس کو بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

اگر آدمی اپنی باتوں میں سچا ہے تو اس کے اعمال میں سچائی اور خلوص، اور احوال میں فلاح و صلاح لازماً پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۰ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۰ (۲۹)

۲۸۔ ترمذی: ج ۳، ص ۳۹۱، رقم ۱۹۷۸

۲۹۔ [illegible]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سیدھی بات کہو، تاکہ وہ تمھارے اعمال کی اصلاح کردے اور تمھارے گناہ معاف کردے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو وہ بڑی کامیابی کو پہنچا۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انما مثل الجلیس الصالح و الجلیس السوء، کحامل المسک و نافخ الکیر۔ فحامل المسک اما ان یحذیک و اما ان تبتاع منه و اما ان تجد منه ریحا طیبة۔ و نافخ الکیر اما ان یحرق ثیابک و اما ان تجد ریحا خبیثة۔ [۳۰]

نیک ہم نشین اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جسے مشک بیچنے والا اور بھٹی دھونکنے والا۔ مشک والا یا تو تجھے یوں ہی دے دے گا (تحفے کے طور پر سونگھنے کے لیے) یا تو اس سے خریدے گا یا تو اس سے اچھی خوش بو پائے گا۔ اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑوں کو جلا دے گا یا تجھے بری بو سونگھنی پڑے گی۔

اس مضمون کی وضاحت ایک واقعے سے وتی ہے، یہ دو جلیل القدر صحابہ کرا کا واقعہ۔ چناں چہ حضرت حنظلہ اسیدی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر مجھ سے ملے اور کہا کہ تم کیسے ہو؟ اے حنظلہ! میں نے کہا کہ حنظلہ منافق ہو گیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا سبحان اللہ تم کیا کہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دوزخ اور جنت کی یاد دلاتے ہیں گویا کہ دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ پھر جب ہم رسول ﷺ کے پاس سے نکل جاتے ہیں تو بیویوں، اولاد اور کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا خدا کی قسم! ہمارا بھی یہ ہی حال ہے۔ پھر میں اور ابو بکر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حنظلہ منافق ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا؟ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور دوزخ کی یاد دلاتے ہیں، گویا کہ دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ پھر جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور کام میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

۳۰ مسلم: ج۴، ص ۲۰۲۶، ۱۹۸۰، رقم ۱۴۶ ـ ۲۶۲۸ ـ بخاری: ج۳، ص ۲۸۴، رقم ۵۵۳۴

والذی نفسی بیدہ ان لوتدو مون علی ما تکونون عندی و فی الذکر لصافحتکم الملئکۃ علی فروشکم و فی طرقکم، ولکن یا حنظلۃ! ساعۃ۔ و ساعۃ ثلاث مرات۔[۳۱]

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم ہمیشہ اسی حالت پر رہو جس پر میرے پاس رہتے ہو اور یاد الٰہی میں رہو تو فرشتے تم سے تمھارے بستروں پر اور تمھارے راستوں میں مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہ! ایک ساعت دنیا کا کاروبار اور ایک ساعت اللہ کی یاد۔ یہ تین مرتبہ فرمایا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اس کے بارے میں کیا فرمائیں گے جو ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن ان سے مل نہیں سکا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المرء مع من احب[۳۲]

انسان اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک بدوی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر۔ تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے۔ اس نے عرض کی کہ میں نے اس کے لیے کوئی تیاری نہیں کی، البتہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انک مع من احببت، فقلنا و نحن کذلک؟ قال نعم ففرحنا یو مئذٍ فرحاً شدیداً[۳۳]

پھر تم اس کے ساتھ ہو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔ اور ہم نے عرض کی کیا ہمارے ساتھ بھی یہ ہی معاملہ ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ ہم اس دن بہت زیادہ خوش ہوئے۔

ذکر کی اہمیت

تصوف بنیادی طور پر اپنے رب کو یاد کرنے اور اس کی یاد کو وظیفہ حیات بنانے کا نام ہے۔ اسی کو ذکر کہتے ہیں۔ یہ ہی ہمارے لیے سکون کا باعث اور کامیابی کی کنجی ہے۔ آج کل پوری دنیا کے لوگ بے

۳۱۔ مسلم: ج ۴، ص ۲۵۹، رقم ۱۲۔ ۲۷۵
۳۲۔ بخاری: ج ۴، ص ۱۲۷، رقم ۶۱۶۹
۳۳۔ بخاری: ج ۴ ص ۱۲۷، رقم ۶۱۶۷

اطمینانی اور بے سکونی کا شکار ہیں ۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کو دولت کی فراوانی، عیش و عشرت، سیر و سیاحت، ملیں، کارخانے، زمینیں، عہدے وغیرہ سب میسر ہیں مگر عام طور پر اطمینان قلب سے محروم ہیں اور اس کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں مگر ان کی بے سکونی کا کوئی مداوا نہیں ۔ اس کا تیر بہ ہدف اور کام یاب نسخہ صرف اسلام کو اختیار کرنے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے میں ہے ۔ چناں چہ اللہ کا ارشاد ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب [۳۴]

خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اس آیت میں صاف صاف بتادیا گیا ہے کہ دنیاوی مال و دولت سے اطمینان حاصل نہیں ہوتا بل کہ یہ صرف ان مومنوں کو نصیب ہوتا ہے جو ہر وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من احب شیئا اکثر ذکرہ [۳۵]

جو کسی چیز سے محبت رکھتا ہے تو کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے۔

لہٰذا آدمی کو ایک لمحہ بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور دن رات اللہ کی یاد میں لگے رہنا چاہیے۔ آخرت کی بھلائی بھی بہ کثرت یادالٰہی پر منحصر ہے۔

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ [۳۶]

اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا ۝ [۳۷]

اور اپنے رب کا ذکر کثرت سے کرو۔

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا ۝ [۳۸]

اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔

۳۴۔ الرعد:۲۸

۳۵۔ بیہقی۔ شعب الایمان: ج۱، ص ۳۸۸، رقم ۵۰۱

۳۶۔ جمعہ: ۱۰

۳۷۔ آل عمران: ۴۱

یاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا O [۳۹]

اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس نے تم پر اتنا بڑا احسان و انعام فرمایا کہ تمھاری رہ نمائی اور ہدایت کے لیے اس نے امام الانبیا سید الاولین والاٰخرین، خاتم النبیین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جو تم نہایت شفیق و مہربان ہیں۔ اس عظیم انعام پر تم اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اور اٹھتے بیٹھے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، دن رات، صبح شام، ہمہ وقت اس کو یاد کرتے رہو۔

ایک حدیث قدسی ہے:

انا جلیس من ذکرنی۔ [۴۰]

میں اس کا ساتھی ہوں جو مجھے یاد کرے

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ [۴۱]

پس تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذکر کو سب سے بڑی عبادت قرار دیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے۔

وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ [۴۲]

اور اللہ کا ذکر سب سے بلند ہے۔

خلاصہ یہ ہی ہے کہ اللہ کا ذکر اور اس کی یاد دین کی حقیقتوں میں سے سب سے بڑھ کر ہے۔ نیز قلب کے زنگ و ظلمات اور کدورتوں کو دور کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی دوا نہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ماعمل آدمی عملا انجی لہ من عذاب اللہ تعالیٰ، من ذکر اللہ تعالیٰ [۴۳]

۳۹۔ الاحزاب:۴۱

۴۰۔ ابن ابی شیبہ۔ مصنف: ج۲، ص۱۰۸، رقم ۱۲۲۴

۴۱۔ البقرہ:۱۵۲

۴۲۔ العنکبوت:۴۵

۴۳۔ مجمع [illegible]

اللہ کے ذکر سے زیادہ کسی آدمی کا کوئی عمل اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فان کثرۃ الکلام بغیر ذکر اللہ قسوۃ المقلب، وان ابعد الناس من اللہ القلب القاسی۔[۴۴]

اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام نہ کیا کرو کیوں کہ اس سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ اور لوگوں میں وہ شخص اللہ سے زیادہ دور ہے جس کے قلب میں قساوت (سختی) ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرھم علی صلاۃ[۴۵]

اللہ تعالیٰ ہر بندے کو اپنا قرب عطا کرتا ہے، اگر بندہ اس قرب کا متلاشی ہو، اور وہ اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہو۔ چناں چہ قیامت کے دن مجھ پر زیادہ حق رکھنے والا وہ شخص ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یقول اللہ عزوجل: انا عند ظن عبدی بی و انا معہ حین یذکرنی، ان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و ان ذکرنی فی ملاء، ذکرتہ فی ملاء ھم خیر منھم و ان تقرب منی شبرا، تقربت الیہ ذراعا، و ان تقرب الی ذراعا تقربت منہ باعا۔ و ان اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ[۴۶]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے لوگوں کے سامنے یاد کرے تو میں بھی ان سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں یعنی فرشتوں کی جماعت میں اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہوگا تو میں گز بھر اس کے قریب ہوں گا اور اگر وہ پیدل چل کر میرے پاس آئے گا تو میں دوڑ کر اس کے پاس آؤں گا۔

۴۴۔ ترمذی: ج ۴، ص ۱۸۴، رقم ۲۴۱۹

۴۵۔ ترمذی: ج ۲، ص ۲۷، رقم ۴۸۴

[illegible]

ذکر خداوندی دنیا کی ہر نعمت سے افضل ترین نعمت ہے، کیوں کہ یہ خالصتاً بندے اور اس کے رب کا معاملہ ہے، اسی لیے ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، چناں چہ حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا انبئکم بخیر اعمالکم و از کاھا عند ملیککم و ارفعھا فی درجاتکم و خیر لکم من انفاق الذھب و الورق و خیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربو ااعناقھم و یضربو ااعناقکم؟ قالو ابلی قال ذکر اللہ[۴۷]

کیا میں تمہیں سب سے بہتر عمل کی خبر نہ دوں، جو تمھارے لیے تمھارے بادشاہ کے نزدیک زیادہ باعث تزکیہ اور تمھارے درجات کی بلندی کا باعث ہے اور تمھارے لیے سونے و چاندی سے بھی زیادہ بہتر ہے اور تمھارے لیے اس سے بھی افضل ہے کہ تم اپنے دشمن سے ملو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمھاری گردنیں ماریں (یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرو) اور وہ اللہ کا ذکر ہے۔

ذکر سے انسان کو وہ مقام بلند حاصل ہوتا ہے کہ انسان اس کا تصور تک نہیں کر سکتا اس لیے کہ جب بندہ اپنے رب کا ہو جائے تو پھر ہر نیکی اور ہر مقام اس کے آگے ہیچ ہو جاتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک مجلس میں پہنچے اور آپ نے سوال کیا:

ما اجلسکم؟ قالو اجلسنا نذکر اللہ و نحمدہ علی ماھدانا للاسلام۔ و من بہ علینا۔ قال اللہ! ما اجلسکم الا ذاک قالوا و اللہ ما اجلسنا الا ذاک قال اما انی استحلفکم تھمۃ لکم و لکنہ اتانی جبریل فاخبرنی، ان اللہ عزوجل یباھی بکم الملائکۃ۔[۴۸]

تم لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم یہاں اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دے کر جو احسان فرمایا اس کی حمد کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! کیا تم صرف اسی مقصد کے لیے یہاں بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں خدا کی قسم! ہم صرف اسی غرض سے یہاں بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ

۴۷۔ ترمذی: ج۵، ص۲۴۶، رقم ۳۳۸۸

۴۸۔ مسلم: ج۴، ص ۲۳۴، رقم ۴۰۔۲۷۰۱

وسلم نے فرمایا میں نے تم سے کسی بدگمانی کی وجہ سے قسم نہیں لی۔ بل کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے، انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فخر کے طور پر تم لوگوں کا ذکر فرشتوں کے سامنے فرمارہا ہے۔

ذکر اصل میں اپنے رب کے حضور اپنی بندگی کے اظہار کا نام ہے اور چوں کہ یہ بندے اور رب کا معاملہ ہے اس لیے خاموشی سے یاد کرنا زیادہ پسندیدہ ہے، بہ نسبت علانیہ ذکر سے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لفضل الذکر الخفی الذی لا یسمعه سبعون ضعفا، فیقول: اذا کان یوم القیمة و جمع الله الخلائق لحسابهم، و جاءت الحفظة بما حفظوا و کتبوا، قال الله لهم: انظروا، هل یقبی له من شیٔ؟ فیقولون ربنا ما ترکنا شیئا مما علمناه و حفظناه الا و قد احصیناه و کتبناه فیقول الله تبارک و تعالیٰ له ان لک عندی خبیئا لا تعلمه و انا اجزیک به و هو الذکر الخفی (۴۹)

ذکرِ خفی کو جسے کوئی نہ سن سکے ستر گنا فضیلت حاصل ہے۔ قیامت کے روز جب تمام مخلوق اپنے حساب کے لیے جمع ہوگی اور فرشتے وہ سب لے کر حاضر ہوں گے جو انہوں نے لکھا۔ اللہ کہے گا دیکھو! اس بندے کی کوئی چیز رہ تو نہیں گئی؟ وہ کہیں گے اے رب! جو ہم جانتے تھے اس میں سے ہم نے کچھ نہیں چھوڑا، سب لکھ لائے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ میرے پاس تیری ایک پوشیدہ نیکی ہے، جس سے فرشتے بھی واقف نہیں اور میں ہی تجھے اس کا بدلہ دوں گا۔ وہ ہے ذکرِ خفی۔

ذکرِ الٰہی مومن کے لیے وظیفہ حیات ہونا چاہیے، اس طرح کہ اس اس مختصر سی زندگی کا کوئی لمحہ یادِ الٰہی سے خالی نہ ہو، چناں چہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اکثروا ذکر الله حتی یقولوا مجنون (۵۰)

اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ دیوانہ کہنے لگیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا

۴۹۔ مجمع الزوائد: ج ۱۰، ص ۸۶، رقم ۱۶۷۹۶

۵۰۔ مسند احمد: ج ۳، ص ۸۳، ۴ رقم ۱۱۲۷۷

کہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمھاری موت اس حالت میں آئے کہ تمھاری زبان اللہ کے ذکر میں مصروف ہو۔ (۵۱)

ذکر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک روایت میں فرمایا حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لوان رجلا فی حجرہ دراھم یقسمھا، و آخر یذکر اللہ کان ذکر اللہ افضل (۵۲)

اگر کوئی شخص اپنی جھولی میں درہم لیے ہوئے انہیں (اللہ کی راہ میں) تقسیم کر رہا ہو اور دوسرا شخص اللہ کے ذکر میں مصروف ہو تو اللہ کا ذکر افضل ہو گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا، قالوا وما ریاض الجنۃ؟ قال حلق الذکر۔ (۵۳)

جب تم جنت کے باغوں میں گزرو تو خوب میوے کھاؤ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ذکر کی مجلسیں۔

حضرت ابوہریرہ وابوسعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لا یقعد قوم یذکرون اللہ عزوجل الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ و نزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ۔ (۵۴)

جو جماعت بھی اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتی ہے اسے فرشتے گھیر لیتے ہیں اور (اللہ) کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ ان کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں (تفاخر کے طور پر) کرتا ہے۔

انسانی زندگی کے مسائل کا تعلق بھی محض اللہ کی یاد اور اس کے خیال کے حضور قلب سے ہے۔ انسان جس قدر اپنے قلوب واذہان میں اپنے رب کا استحضار تازہ رکھے گا اسی قدر انسان شیطان اور اس

۵۱۔ ابن حبان۔ الصحیح: ج ۳ ص ۳۹، رقم ۸۱۵
۵۲۔ مجمع الزوائد: ج ۱۰، ص ۷۲، رقم ۱۶۷۵۱
۵۳۔ ترمذی: ج ۴، ص ۳۰۴، رقم ۳۵۲۱
۵۴۔ مسلم: ج ۴ ص ۲۳۴، رقم ۳۔ ۲۷۰۰

کے اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے گا۔ چناں چہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شیطان انسان کے دل میں جما ہوا بیٹھا ہے۔ جب انسان اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ (اللہ کے ذکر سے) غافل ہو جاتا ہے تو شیطان وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔ (۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سبق المفردون، قالوا وما المفردون؟ یا رسول اللہ! قال الذاکرون اللہ کثیرا، والذاکرات۔ (۵۶)

مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مفردون کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من قوم اجتمعوا یذکرون اللہ عزوجل لایریدون بذلک الا وجهه الاناداهم مناد من السماء ان قوموا مغفورلكم فقد بدلت سيئا تكم حسنات۔ (۵۷)

جو قوم بھی جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرتی ہے اور ان کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہوتا ہے۔ تو ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ تمھاری مغفرت کر دی گئی اور میں (اللہ) نے تمھاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ذکر جس کو حفظہ (حفاظت کرنے والے فرشتے) نہیں سنتے (یعنی ذکر خفی) اس ذکر پر جس کو حفظہ سنتے ہیں (ذکر جلی پر) ستر درجے فضیلت رکھتا ہے۔ (۵۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۵۵۔ مشکوٰۃ: باب ذکر اللہ، فصل ثالث

۵۶۔ مسلم: ج ۴، ص ۲۲۴، رقم ۲۶۷۶، ابن حبان: ج ۳، ص ۵۶، رقم ۸۵۵

۵۷۔ مجمع الزوائد: ج ۱۰ ص ۷۵، رقم ۱۶۷۴۶

۵۸۔ شعب الایمان: ج ۱، ص ۴۰۷، رقم ۵۵۵۔ ابی یعلی، المسند: ۱۸۳، رقم ۴۷۳۸

خیر الذکر الخفی [۵۹]

سب سے بہتر ذکر ذکر خفی ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الذین اذا رؤوا ذکر اللہ [۶۰]

(اولیاء اللہ وہ ہیں کہ) جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یقول اللہ عز وجل من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین۔ [۶۱]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کو میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے روک دے (یعنی میرے ذکر میں مشغولیت مجھے مانگنے کی فرصت نہ دے) میں اس کو مانگنے والوں سے افضل و بہتر دوں گا۔

ابوالبخاری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مررت لیلۃ اسری بی برجل مغیب فی نور العرش۔ قلت من ہذا ابذا ملک؟ قیل لا قلت نبی؟ قیل لا قلت من ھو؟ قال ہذا رجل کان فی الدنیا لسانہ رطب من ذکر اللہ و قلبہ معلق بالمساجد و لم یستب الوالدیہ۔ [۶۲]

معراج کی رات میرا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو عرش کے نور میں چھپا ہوا تھا۔ میں نے دریافت کیا کیا یہ کوئی فرشتہ ہے؟ "جواب ملا نہیں" میں نے پوچھا "کیا یہ کوئی نبی ہے؟" جواب ملا "نہیں" "میں نے پوچھا یہ کون ہے؟" (جبریل نے) جواب دیا "یہ وہ ہے جس کی زبان اللہ کے ذکر سے تر رہتی تھی اور جس کا دل مسجدوں میں لگا رہتا تھا اور جس نے اپنے والدین کو برا بھلا نہیں کہا۔

۵۹۔ شعب الایمان: ج۱، ص۴۰۶، رقم ۵۵۲۔ احمد: ج۱، ص۱۷۲، رقم ۱۴۷۷

۶۰۔ تفسیر ابن کثیر: ج۲، ص ۴۳۳

۶۱۔ مسند الشہاب: ج۲، ص ۳۲۶، رقم ۱۳۵۴

۶۲۔ منذری، الترغیب والترہیب: ج۲، ص ۲۵۳

اورادووظائف

اگر چہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے میں تصوف اصطلاحاً نہیں تھا مگر تصوف میں جو کام کیے جاتے ہیں، وہ سب کام اس وقت بھی ہوتے تھے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ذکر اذکار بہت کثرت سے ہوتے تھے۔ احادیث میں مختلف اوقات کی دعائیں مثلاً صبح کی دعائیں، دوپہر کی دعائیں، شام کی دعائیں، رات کی دعائیں، سوتے جاگنے اور کھانے پینے کی دعائیں مذکور ہیں۔ قرآن کریم میں بھی بہت سے اذکار اور دعائیں آئی ہیں۔ یہ سب تصوف ہے۔ بے شک اصطلاح کے اعتبار سے یہ تصوف نہ ہو، مگر عمل کے اعتبار سے یہ سب تصوف ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ رات کو سوتے وقت کچھ دعائیں پڑھتے تھے۔ نیند سے بیدار ہونے پر بھی کچھ دعائیں پڑھتے تھے۔ جب رات کو اٹھتے تب بھی کچھ دعائیں پڑھتے تھے۔ غرض احادیث میں بہت سے اذکار و اوراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوراد کی تعداد متعین فرمائی ہے اور بعض کی کوئی تعداد متعین نہیں فرمائی۔ مثلاً یہ ورد تینتیس دفعہ پڑھنا ہے اور یہ چونتیس دفعہ۔ یہ دس دفعہ پڑھنا ہے اور یہ سو دفعہ اور یہ تین دفعہ وغیرہ۔ ذیل میں چند اوراد کا بیان ہے۔ ان میں سے بعض کی تعداد مقرر ہیں یں اور بعض کسی تعداد کے بغیر پڑھے جاتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نے چکی پیسنے کی اپنی دشواریوں کی شکایت کی تھی۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے ہیں، اس لیے وہ بھی ان میں سے ایک خادم حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کرنے حاضر ہوئیں مگر (اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے۔ چناں چہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق کہہ کر (واپس چلی آئیں) پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی درخواست پیش کر دی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے۔ (اس وقت) ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ہم کھڑے ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علی مکانکما حتی وجدت برد قدمیه علی صدری فقال الا أدلکما علی خیر مما سألتماه؟ اذا اخذتما مضاجعکما فکبرا الله اربعاً و ثلاثین، و احمدا ثلاثاً و ثلاثین و سبحا ثلاثاً و ثلاثین فان ذلک خیر لکما مما سألتماه۔[۶۳]

جس طرح لیٹے ہوئے ہو ویسے ہی لیٹے رہو (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آکر درمیان میں بیٹھ گئے) اور اتنے قریب ہو گئے کہ) میں نے آپ کے دونوں قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ تم لوگوں نے مانگا ہے میں تمہیں اس سے بہتر بات کیوں نہ بتاؤں؟ جب تم دونوں اپنے بستر پر لیٹ جاؤ (سونے کے لیے) تو اللہ اکبر چونتیس دفعہ، الحمد للہ تینتیس مرتبہ اور سبحان اللہ تینتیس مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل اس سے بہتر ہے جو تم دونوں نے مانگا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا اله الا الله وحده لا شریک له، له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر، فی یوم مائة مرة، کانت له عدل عشر رقاب، و کتب له منه حسنة، و محیت عنه مئة سیئة و کانت له حرزا من الشیطن یومه ذلک حتی یمسی، ولم یات احد بافضل مما جاء الا رجل عمل اکثر منه۔[۶۴]

جو شخص دن میں سو مرتبہ لا اله الا الله وحده لا شریک له، له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر پڑھے، اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جائیں گی۔ اور اس دن یہ دعا شام تک کے لیے شیطان سے اس کی محافظ ہو گی اور کوئی شخص اس سے بہتر کام کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا سوائے اس کے جو اس سے زیادہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قال سبحان الله و بحمده، فی یوم مائة مرة، حطت خطایاه و ان کانت مثل زبد البحر۔[۶۵]

۶۳۔ بخاری: ج ۲ ص ۳۰۴، رقم ۳۱۱۳

۶۴۔ بخاری: ج ۴، ص ۱۸۵، رقم ۶۴۰۳

۶۵۔ بخاری: ج ۱۴ ص ۱۸۶، رقم ۶۴۰۵۔ ترمذی: ج ۵، ص ۲۸۷، رقم ۳۴۷۷

جس نے دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اراد ان ینام علی فراشه فنام علی یمینه ثم قرأ قل هو الله احد مائة مرة إذا کان یوم القیمة یقول له الرب تبارک و تعالی یا عبدی أدخل علی یمینک الجنة۔[٦٦]

جو شخص بستر پر سونے کا ارادہ کرے پھر وہ دائیں کروٹ پر لیٹ جائے اور سو دفعہ قل ھو اللہ احد پڑھے تو قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ اے میرے بندے اپنے دائیں طرف جنت میں چلا جا۔

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم ایک بارش کی رات میں جو نہایت تاریک تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ سو ہم نے آپ کو پالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

قل، فلم أقل شیئاً۔ ثم قال قل فلم أقل شیئاً۔ قال قل فقلت ما اقول۔ قل: قل هو الله احد و المعوذتین حین تمسی و تصبح ثلاث مرات تکفیک من کل شیء[٦٧]

کہو، میں کچھ نہیں بولا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین بار فرمایا۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھ قل ھو اللہ احد اور معوذتین (یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) صبح شام تین بار۔ یہ تجھے ہر چیز سے کافی ہوں گی (یعنی ہر بلا کو دفع کریں گی)۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من صلی حین یصبح عشرا، و حین یمسی عشرا أدرکته شفاعتی یوم القیامة[٦٨]

٦٦۔ ترمذی: ج ٤، ص ٤١١، رقم ٢٩٠٧

٦٧۔ ترمذی: ج ٥، ص ٣٣٥، رقم ٣٥٨٦۔ ابوداود: ج ٤ ص ٣٥٦، رقم ٥٠٨٢

٦٨۔ مجمع [illegible]

جس نے صبح کے وقت مجھ پر دس بار درود بھیجا اور شام کے وقت بھی دس بار درود بھیجا وہ قیامت کے دن میری شفاعت پالے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے لا الہ الا اللہ کہلوایا کرو اور موت کے وقت ان کو اسی کلمے کی تلقین کرو۔ (۶۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے سوکھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا عصا مبارک مارا تو اس کے سوکھے پتے جھڑنے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا:

ان الحمد للہ، و سبحان اللہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر لتساقط من ذنوب العبد کما تساقط ورق الشجرۃ ھذہ (۷۰)

یہ کلمات سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر بندے سے گناہوں کو اس طرح جھاڑتے ہیں جس طرح تم نے اس درخت کے پتے جھڑتے دیکھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کلمتان خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان فی المیزان، حبیبتان الی الرحمن! سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم (۷۱)

دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اور ترازو پر بھاری ہیں اور رحمن یعنی اللہ کو بہت محبوب ہیں۔ وہ کلمے یہ ہیں۔

سبحان اللہ و بحمد سبحان اللہ العظیم

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من قرأ آیۃ الکرسی دبر کل صلاۃ مکتوبۃ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا أن یموت۔ (۷۲)

۶۹۔ علی المتقی الہندی۔ کنز العمال: رقم ۴۵۳۳۳

۷۰۔ ترمذی: ج ۵ ص ۳۱۵، رقم ۳۵۴۴

۷۱۔ بخاری: ج ۴، ص ۳۱۵۱، رقم ۵۵۸۲۔ مسلم: ج ۴، ص ۲۳۲، رقم ۲۶۹۴

۷۲۔ مجمع الزوائد: ج ۱۰ ص ۱۲۸، رقم ۱۶۹۲۲

جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی، اس کو جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں سوائے اس کے کہ موت آئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن سورة من القرآن ثلاثون آية شفعت لرجل حتى غفر له وهى سورة تبارک الذی بيده الملک۔[۷۳]

قرآن میں ایک سورت ہے جو تیس آیات پر مشتمل ہے، وہ آدمی کی سفارش کرے گی حتیٰ کہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور وہ سورۂ ملک ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کہا:

رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد نبیاً[۷۴]

میں اللہ کو رب مان کر اسلام کو اپنا دین تسلیم کر کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر ان سے راضی ہو گیا۔ تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔

مقاصد بعثت

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کے مقاصد میں سے چار اہم اور بنیادی مقاصد بقرہ: ۱۲۸، ۱۵۱، آل عمران: ۱۶۴ اور الجمعہ: ۲ میں بار بار بیان فرمائے ہیں۔

چناں چہ ارشاد ہے:

۱۔ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝[۷۵]

۷۳۔ ترمذی: ج۴ ص ۴۰۸، رقم ۲۹۰۰

۷۴۔ ابن حبان: ج ۳، ص ۵۸، رقم ۸۶۰

۷۵۔ البقرۃ: ۱۲۸

اے ہمارے رب ان میں ان ہی میں سے ایک ایسا رسول بھیج جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے (پاک وصاف بنا دے) بے شک تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

۲۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝[۷۶]

جیساکہ ہم نے تم میں، تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

۳۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝[۷۷]

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بے شک اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے۔

۴۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝[۷۸]

اُسی نے اَن پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

ان مقاصد میں سب سے پہلا کام قرآن کریم کی تلاوت ہے یعنی قرآن کریم کے الفاظ، قرآن کریم کے پڑھنے کا انداز، قرآن کریم کی قرأت لوگوں تک پہنچانا، قرآن کا ناظرہ پڑھنا، حفظ پڑھنا، تجوید سے

۷۶۔ البقرۃ:۱۵۱

۷۷۔ آل عمران:۱۶۴

۷۸۔ الجمعہ:۲

پڑھنا، قرأت سبعہ اور عشرہ میں پڑھنا، سب تلاوت میں داخل ہے۔

دوسرا کام تعلیم کتاب ہے، اس میں تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم دینیہ داخل ہیں۔

تیسرا کام حکمت ہے۔ یعنی دین میں تفقہ اور زندگی گزارنے کے لیے سلیقے کو حکمت کہتے ہیں۔

چوتھا کام تزکیہ نفس ہے۔ اس کے معنی تربیت کے ہیں۔ تربیت کئی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کے دائرے الگ الگ ہیں۔ مثلاً دینی تربیت میں قرآن پڑھانا، حدیث پڑھانا، فقہی مسائل کی تعلیم دینا وغیرہ۔ اخلاقی تربیت میں اخلاق کی تعلیم دینا، جھوٹ، غیبت، لالچ، حسد، بغض، کینہ، عداوت وغیرہ خصائل رذیلہ سے بچنا، سچ بولنا، امانت، دیانت، قناعت، خلوص وغیرہ اخلاق اپنانا۔ روحانی تربیت میں انسان کی روح ہلکی پھلکی اور پرسکون اور تازہ دم رہے، اس کے لیے ذکر اذکار، اللہ کی یاد اور تفکر اور کچھ دیر الگ بیٹھ کر غور و فکر کرنا وغیرہ۔ صحابہ کرام کے ہاں یہ مستقل معمولات تھے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر سے صبح کی نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ مصلے پر تھیں۔ پھر آپ چاشت کے وقت واپس تشریف لائے تو اس وقت بھی وہ مصلے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> مازلت علی الحال التی فارقتک علیها؟ قال نعم۔قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لقد قلت بعدک اربع کلمات، ثلاث مرات۔ لو وزنت بما قلت منذ الیوم لوزنتهن۔ سبحان اللہ و بحمدہ عدد خلقہ و رضا نفسہ وزنۃ عرشہ و مداد کلماتہ۔[۷۹]

کیا تم اس وقت سے یہیں بیٹھی ہو۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے یہاں سے جانے کے بعد چار کلمات تین مرتبہ کہے ہیں۔ اگر ان کو تیری ان تمام تسبیحوں کے ساتھ تولا جائے جو تو نے صبح سے اس وقت تک پڑھی ہیں تو یہ چار کلمات وزن میں بڑھ جائیں گے وہ کلمات یہ ہیں۔

> سُبْحَانَ اللہ وَ بِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ، وَ رِضَی نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ و مداد کَلِمٰتِہٖ

۷۹۔ مسلم: ج ۴ ص ۲۴۵، رقم ۲۷۲۶

تزکیہ

اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق میں گناہ اور اطاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھ دی ہے اور انسان کو انبیاعلیہم السلام کے ذریعے صاف صاف بتادیا کہ شر اور برائی کا راستہ یہ ہے اور خیر و پرہیز گاری کا راستہ یہ ہے۔ پھر ایک حد تک انسان کو اختیار و قدرت بھی دے دی کہ وہ اپنے اختیار اور ارادے سے خواہ گناہ کا راستہ اختیار کرے یا طاعت کا راستہ، اس کو دونوں طرح کا اختیار ہے۔ آخرت میں اس کو اسی قصد و اختیار کے تحت گناہ یا اطاعت کا راستہ اختیار کرنے کا ثواب یا عذاب ملے گا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا O وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا O[(۸۰)]

بے شک وہ کام یاب ہوا جس نے اس (نفس) کو پاک کرلیا۔ اور بے شک وہ ناکام ہوا جس نے اس کو خاک میں ملادیا۔

اللہ تعالیٰ نے سات مختلف مگر کائنات کی اہم ترین حقیقتوں کی قسم اٹھانے کے بعد فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا، یعنی اللہ کی اطاعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرلیا، اپنے رب کو یاد کیا اور نماز کی پابندی کی تو وہ کام یاب و بامراد ہوا، اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا، اطاعت کو چھوڑ کر نافرمانی میں لگا رہا وہ محروم و نامراد ہوا۔ مکے کے ابتدائی دور میں شرک اور بت پرستی سے کامل اجتناب، دل و دماغ میں خالص توحید کا عقیدہ راسخ کرنا۔ اور معصیت کو چھوڑ کر اللہ کی اطاعت اختیار کرنا تزکیے کے لیے ضروری تھا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى O وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى O بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا O وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى O[(۸۱)]

بے شک وہ کام یاب ہوا جس نے پاکیزگی حاصل کی۔ اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حال آں کہ آخرت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

۸۰۔ الشمس: ۹،۱۰

۸۱۔ الاعلیٰ: ۱۴۔۱۷

جس شخص نے اللہ کی رضا اور خوش نودی کے لیے اپنے آپ کو اخلاق رذیلہ اور ظاہری و باطنی نجاستوں سے پاک کرلیا، اپنے دل و دماغ کو عقائد صحیحہ، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ کرلیا، احکام اسلام کی پیروی کی اور نماز کو ٹھیک وقت پر تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کیا تو اس نے نجات اور فلاح پائی۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قد افلح من تزکی تلاوت کرکے فرمایا:

من شہد ان لا الہ الا اللہ و خلع الانداد و شہد انی رسول اللہ [۸۲]

جس نے شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جن چیزوں کو اس کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے ان سے علیحدگی اختیار کی اور اس بات کی گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو وہ فلاح پاگیا اور پاکیزہ ہوگیا۔

پھر فرمایا کہ تم بھلائی کیسے حاصل کرسکتے ہو جب کہ تمہیں نہ صرف یہ کہ آخرت کی فکر نہیں بل کہ تم تو اس دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و آرام کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو، حال آں کہ تمھارا فائدہ اور نفع آخرت کی زندگی کو دنیا کی چند روزہ زندگی پر ترجیح دینے میں ہے۔ دنیا ذلیل و حقیر اور فانی ہے اور آخرت اس سے کہیں بہتر، پائیدار اور باقی رہنے والی ہے۔ کوئی عقل مند آدمی فانی کو باقی پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ لہٰذا حیات دنیا کی بہ جائے آخرت کی فلاح و سعادت کی فکر کرنی چاہیے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّہٗ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّہٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَہٗ جَہَنَّمَ ؕ لَا یَمُوۡتُ فِیۡہَا وَ لَا یَحۡیٰی O وَ مَنۡ یَّاۡتِہٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِکَ لَہُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰی ۙ O جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَکّٰی O [۸۳]

بے شک جو اپنے رب کے پاس مجرم ہوکر آئے گا سو اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جی ہی سکے گا۔ اور جو اس کے پاس مومن ہوکر آئے گا اور اس نے نیک اعمال بھی کیے ہوں گے تو ان کے لیے بلند درجات ہیں، ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاکیزگی اختیار کرے۔

۸۲۔ علامہ آلوسی۔ روح المعانی: ج ۳، ص ۱۰۹

۸۳۔ طٰہٰ: ۲۰: ۷۴۔ ۷۶

قیامت کے دن جو شخص مجرم اور باغی ہو کر اپنے رب کے سامنے پیش ہو گا بلا شبہ اس کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔ وہاں اس کو کبھی موت نہیں آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے۔ اور نہ اس کو کوئی راحت نصیب ہو گی، بل کہ اس کی زندگی بڑی مشقت والی اور موت سے بدتر ہو گی۔ اس کے برعکس جو لوگ ایمان کی حالت میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ہوں گے تو ان کے لیے بلند درجات اور ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا اور بدلہ ان لوگوں کے لیے ہے جو کفر و معصیت کی نجاستوں سے پاک و صاف ہوں گے۔

انسان کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ جس طرح شریعت ظاہر کے لیے ہے بالکل اسی طرح باطن کے لیے بھی ہے۔ جس طرح انسان کو بے شمار جسمانی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اسی طرح اس کے قلب کے اندر بھی بے شمار بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جیسے کفر و شرک، مال کی محبت، عہدے کی محبت، حسد، بغض، کینہ، تکبر، عداوت، بخل، ریا، اترا ہٹ، غصہ، جھوٹ، لالچ وغیرہ۔ اسی قلب کی اصلاح کا نام تزکیہ و طہارت ہے۔ دل کی اصلاح اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے اور دل کی اصلاح سے انسان کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اس کے اندر عبادات اور بھلائی کے کام کرنے کی رغبت اور ان میں اخلاص پیدا ہوتا ہے۔

حدیث اور سنن کی کتابوں میں اکثر محدثین نے اصلاح نفس کی بیشتر روایتیں کتاب الرقاق کے ذیل میں جمع کی ہیں۔ رقاق کے معنی دل کو نرم کرنے، آمادہ کرنے اور اس کی اصلاح کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ لا وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ(۸۴)

کیا ایمان والوں کے لیے اب تک وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو دین حق نازل ہوا ہے، اس کے سامنے جھک جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر جب ان پر ایک طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل

۸۴۔ الحدید: ۱۷، ۱۶

سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ جان لو کہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ ہم نے تو تمھارے لیے کھول کھول کر نشانیاں بیان کر دیں تاکہ تم سمجھو۔

اس آیت میں مومنوں کو مکمل خشوع و خضوع اور عمل صالح کے لیے مستعد رہنے کی تعلیم دی گئی ہے، اور خشوعِ قلب ہی پر تمام اعمال کا دارومدار ہے۔ چناں چہ ارشاد فرمایا کہ مومنوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ اللہ کا ذکر اور وعظ و نصیحت، آیات قرآنی اور احادیث نبوت سن کر ان کے دل نرم ہو جائیں، وعظ و نصیحت قبول کریں، اللہ کے احکام بجالائیں اور ممنوعات سے اجتناب کریں۔ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی روش اختیار نہیں کرنی چاہیے، جنہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی اور اس کو تھوڑی قیمت لے کر فروخت کر دیا، اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال کر اپنی رائے سے فیصلے کرنے لگ گئے۔ اپنے علما اور درویشوں کی بے سند باتوں کو دین میں داخل کر لیا اور نیکیاں چھوڑ کر برائیوں میں منہمک ہوئے۔ ان بداعمالیوں کی سزا میں اللہ نے ان کے دل سخت کر دیے۔ اس لیے اب اللہ کے احکام سن کر ان کے دل نرم نہیں ہوتے، کوئی وعظ و نصیحت ان پر اثر نہیں کرتی، کوئی وعدہ و وعید ان کے دل کو اللہ کی طرف مائل نہیں کرتی بل کہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق اور بدکار ہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ لا وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (۸۵)

پھر ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ (تورات کے) الفاظ کو ان کے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ اس نصیحت میں سے ایک بڑا حصہ بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی۔

جان لو کہ جس طرح اللہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، اسی طرح وہ دلوں کی سختی کے بعد ان میں نرمی پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ گمراہیوں کی تہہ میں اتر جانے کے بعد اللہ ہی راہ راست پر لاتا ہے۔ جس طرح بارش خشک زمین کو تر کر کے سرسبز بنا دیتی ہے اسی طرح کتاب اللہ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ انکی ظلمت و تاریکی کو دور کر کے ان کو منور کر دیتی ہے۔ ہم نے تمھارے لیے بہت سی نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو۔

اور ارشاد ہے:

۸۵۔ المائدۃ:۱۳

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِنْ م بَعْدِ ذٰلِکَ فَهِیَ کَالحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ المَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۸۶)

اس کے بعد تمھارے دل پتھر کی مانند یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اور بعض پتھر تو ایسے ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور ان میں ایسے پتھر بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور پھر ان سے پانی نکل آتا ہے اور ان میں ایسے پتھر بھی ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے غافل نہیں۔

اس آیت میں یہود کی قساوت قلبی کا بیان ہے کہ ایسے ایسے واقعات و عجائبات قدرت دیکھ کر بھی تمھارے دل نرم اور اللہ کی طرف مائل ہونے کی بجائے گناہ کرتے کرتے پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ اس لیے انبیا کی نصیحت تم پر کوئی اثر نہیں کرتی۔ تم سے بہتر تو پتھر ہیں کہ بعض پتھروں میں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں جن سے خلق خدا فائدہ اٹھاتی ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب وہ بھتے ہیں تو ان سے پانی جھڑتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ خشیت الٰہی سے زمین پر آ گرتے ہیں۔ تمھارے دلوں میں تو یہ وصف بھی نہیں۔ لہٰذا وہ پتھروں سے زیادہ سخت ہیں، اس لیے نصیحت کی کوئی بات ان پر اثر نہیں کرتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی کو بوسہ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اقرع نے کہا کہ میرے دس لڑکے ہیں اور میں نے ان میں کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

من لا یرحم لا یرحم (۸۷)

جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ لوگ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں، ہم تو انہیں بوسہ نہیں دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۸۶۔ البقرۃ:۷۴

۸۷۔ بخاری: ج۴، ص۸۶، رقم ۵۹۹۷

او املک لک ان نزع اللہ من قلبک الرحمۃ (۸۸)

اگر اللہ نے تمھارے دل سے رحم نکال دیا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

انسان کا دل اس کے جسم کا بادشاہ اور تمام اعضا کا سردار ہے۔ جس طرح نیک باشاہ کی رعایا نیک ہوتی ہے، اسی طرح جسم کے بادشاہ یعنی دل کے درست اور صالح ہونے سے اس کے جسم کے اعضا بھی صالح اور درست ہوں گے اور اللہ کے احکام کی پابندی کریں گے۔ قلب انسانی کا ہدایت اور گم راہی سے گہرا تعلق ہے۔ جب تک دل صحیح اور صالح رہتا ہے انسان بھلائی کے کام کرتا رہتا ہے۔ جب اس میں فساد پیدا ہوجاتا ہے تو اس سے اس کے اعمال میں بھی فساد اور بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے یہاں تک کہ یہ بالکل سیاہ ہوکر صرف برائیوں کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان العبد اذا اخطا خطیئۃ نکتت فی قلبہ نکتۃ سوداء فاذا ھو نزع واستغفر وتاب صقل قلبہ وان عاد زید فیھا حتی تعلوا قلبہ وھو الران الذی ذکر اللہ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانو یکسبون (۸۹)

بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اگر اس نے اپنے آپ کو گناہ سے علیحدہ کرلیا اور اللہ سے مغفرت مانگی اور توبہ کی تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے اور اگر اس نے پھر وہی گناہ کیا تو وہ سیاہ نکتہ بڑھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ ہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر سورۃ المطففین کی آیت کلا بل ران میں ہے۔ (یعنی ہرگز نہیں بل کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ لگ گیا ہے)

یہ قرآن اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں نہیں بل کہ یہ تو کلام الٰہی ہے جو اس نے وحی کے ذریعے اپنے بندے پر نازل کیا ہے۔ البتہ کافروں کے دلوں پر ان کی بداعمالیوں کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ گناہوں اور خطاؤں نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کردیا ہے۔ جس طرح زنگ لوہے کو کھاکر مٹی بنادیتا ہے اسی طرح گناہوں کے زنگ نے ان کے دلوں کی اس صلاحیت کو ختم کردیا جس سے بھلے برے کی تمیز ہوتی ہے اسی لیے وہ حق و باطل میں تمیز کے قابل نہیں رہے۔

۸۸۔ بخاری: ج۴، ص۸۶، رقم ۵۹۹۸

۸۹۔ ج۵، ص ۲۲۰، رقم ۳۳۴۵

۔ حضرت لقمان حکمت و دانش میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ ان کی حکمتوں اور نصیحتوں کا قرآن مجید میں بھی تذکرہ ہے۔ مشہور ہے کہ جس زمانے میں وہ کسی شخص کے غلام تھے ایک دفعہ ان کے آقا نے ان کو ایک جانور دیا کہ اس کو ذبح کرکے اس کا سب سے بہتر عضو نکال کر لاؤ۔ حضرت لقمان نے اس جانور کا دل نکال کر پلیٹ میں رکھ کر اپنے آقا کے سامنے پیش کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس آقا نے ایک اور جانور ان کو دیا اور کہا کہ اس کو ذبح کرکے اس کا سب سے بدتر عضو نکال کر لاؤ۔ حضرت لقمان نے اس دفعہ بھی اس کا دل نکال کر اپنے آقا کے سامنے پیش کیا۔ ان کے آقا نے کہا کہ جب میں نے سب سے بہتر عضو لانے کے لیے کہا تھا تو اس وقت بھی تم دل لائے تھے اور اب جب کہ میں نے سب سے بدتر عضو منگوایا تب بھی دل ہی لے کر آئے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت لقمان نے فرمایا کہ اگر دل کی اصلاح ہو چکی ہو تو تمام اعضائے بدن سے بہتر ہے اور اگر اس کی اصلاح نہ ہوئی ہو تو یہ سب سے بدتر عضو ہے۔

جس طرح انسانی جسم کا ظاہری میل کچیل اور نجاست صابن اور پانی سے دور کیے جاتے ہیں اسی طرح اس کے باطن یعنی دل کے میل کچیل کی صفائی موت کو کثرت سے یاد کرنے اور قرآن مجید کی تلاوت سے ہوتی ہے۔ چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان هذه القلوب تصدء كما يصدء الحديد اذا اصابه الماء، قيل يا رسول الله ﷺ وما جلاء ها قال كثرة ذكر الموت و تلاوة القرآن (۹۰)

بے شک دلوں کو اسی طرح زنگ لگ جاتا ہے جس طرح پانی لگنے سے لوہے کے اوپر زنگ آجاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ (ﷺ) اس کو صاف کیسے کیا جائے؟ آپ نے فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرنا اور تلاوت قرآن زیادہ کرنا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لكل شيء صقالة و صقالة القلوب ذكر الله (۹۱)

ہر چیز کے لیے ایک چمکانے والا (زنگ دور کرنے والا) ہوتا ہے اور دلوں کو چمکانے والا اللہ کا ذکر ہے۔

جب قلب کی اصلاح ہو جاتی ہے تو اعمال صالحہ سے اخلاص کی بہ دولت قلب میں انوار پیدا ہوتے

۹۰۔ بیہقی۔ شعب الایمان: ج ۲، ص ۳۵۳

۹۱۔ مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۴۲۷، رقم ۳۲۸۶

ہیں، جن کی بنا پر قرب حق نصیب ہوتا ہے۔ اسی اصلاح عمل کا نام تصوف ہے۔ محدثین، مفسرین، فقہا اور صوفیا، سب شریعت نبوی کے حامل ہیں اور یہ ان ہی کا صدقہ ہے کہ اس امت میں دین اسلام آج بھی اسی طرح اپنی شان کے ساتھ قائم ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔

تصوف کا تعلق انسان کے باطن سے ہے مگر اس میں اخلاقی تربیت اور اخلاص عمل بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ ہی تصوف کا خلاصہ اور اس کا جوہر ہیں۔

اس فن کے تمام بڑے لوگوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ تصوف اخلاق ہی کا دوسرا نام ہے۔[۹۲]

کتانی کہتے ہیں کہ تصوف اخلاق کا دوسرا نام ہے۔ پس جو شخص تمھارے لیے اخلاق کے کسی خوشگوار باب کا اضافہ کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس نے تمہیں تصوف کی ایک نئی رکاہ دکھادی۔

جس طرح فقہائے کرام نے دین کے ظاہری احکام کو اپنی توجہ کا مرکز و محور بنایا اسی طرح صوفیا کرام دین کے باطنی پہلو کی طرف متوجہ ہوئے اور انسانی نفس کو لاحق ہونے والی بیماریوں کا پتہ چلا کر ان سے بچاؤ کی تدبیریں اور ان کا علاج بتایا۔ ابتدائی دور میں جن لوگوں نے تصوف کو منظم و مرتب کیا ان کی کوشش تھی کہ اس کے اندر کوئی خلاف شرع بات شامل نہ ہونے پائے۔ انہوں نے تصوف کو قرآن و سنت کا پابند بنایا تھا۔ چناں چہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> من لم یقراء القرآن و کتب الحدیث لا یقتدی بہ فی ہذا الامر لان علمنا مقید بالکتاب و السنۃ۔
>
> جو قرآن نہ پڑھے اور حدیث نہ لکھے وہ ہمارے اس امر (تصوف) میں اقتدار کے لائق نہیں۔ اس لیے کہ ہمارا یہ علم (مسلک) کتاب و سنت کا پابند ہے۔
>
> نیز فرمایا:
>
> مذہبنا مقید بالکتاب و السنۃ[۹۳]
>
> ہمارا مسلک کتاب و سنت کا پابند ہے۔

آج اس حقیقت کے اعتراف سے چارہ نہیں کہ ایک عرصے سے تصوف کے اندر بھی بہت سی اجنبی اور غیر اسلامی چیزوں کی آمیزش ہو رہی ہے۔ اب اکثر صوفیوں کے نزدیک شریعت الگ ہے اور

۹۲۔ ابن قیم۔ مدارج السالکین: ج ۲، ص ۶۴، مطبوعۃ السنۃ المحمدیہ

طریقت الگ۔ حال آں کہ طریقت شریعت کے تابع ہے۔ حضرت مولانا سید زوار حسین رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیشہ سے دنیا کا دستور چلا آرہا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں کچھ لوگ حق کے ساتھ ناحق صحیح کے ساتھ غلط جائز کے ساتھ ناجائز کو خلط ملط کرتے رہتے ہیں اور عوام الناس کو اس اندھی اور گم راہ کن تقلید میں پھنسا کر اپنا الو سیدھا کرتے رہتے ہیں۔ تصوف بھی ایسے لوگوں کے غلط ہتھکنڈوں سے نہ بچ سکا اور اس میں بھی مختلف ادوار میں خلط بحث کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن ہر زمانے میں اہل حق صوفیائے کرام قدس اللہ اسرار ہم حق و ناحق، صحیح و غلط اور جائز و ناجائز کو ایک دوسرے سے جدا کرتے اور عوام و خواص کی صحیح رہ نمائی کا اہم فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، جیسا کہ امام غزالی، شیخ شہاب الدین سہروردی، داتا گنج بخش علی الہجویری، خواجہ بہاؤ الدین نقش بند بخاری، شیخ عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین اجمیری، خواجہ نظام الدین دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی، خواجہ محمد معصوم سرہندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ غلام علی دہلوی وغیرہ حضرات قدسنا اللہ تعالیٰ باسرار ہم کی تصنیفات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے اور ہمارے قریب کے زمانے میں مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی قدس اسرار ہم نے تصوف کے مسائل کو منقح و منقی کرنے میں کمال درجے کی محنت کی ہے اور فقہا و محدثین کے شانہ بشانہ صوفیائے کرام نے بھی تصوف میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعامل کو بنیاد قرار دے کر اور ان کے نقش قدم پر چل کر منفرد آرا کو رد کر دیا اور تصوف میں بھی مسلک جمہور قائم کیا اور اس کو اعتقاد و عمل کی بنیاد ٹھہرایا۔ آج بھی اہل حق صوفیا کے ہاں تنقیح کا عمل مسلسل جاری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس زمانے میں رطب و یابس، صحیح و غلط اور حق و ناحق کو خلط ملط کرنے والوں کی کثرت ہے۔ اس لیے تنقیح و تنقیہ کے عمل کی ضرورت فی زمانہ شدید تر ہو گئی ہے۔ تاہم اہل حق اب بھی موجود ہیں اور اپنے کام میں مصروف ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے اور یہ انتہائی انحطاط کا دور ہے لیکن حقیقت و اصلیت کے وجود سے اب بھی انکار نہیں جا سکتا۔ اصل موجود ہے جبھی تو اہل نقل بھی نقلی چیز کو اصلی چیز کے مشابہ بنا کر اور اس کو اصلی کہہ کر دن رات اس کی ترویج میں لگے ہوئے ہیں اور عوام الناس اصل اور نقل میں تمیز نہ کر سکنے کے باعث نقل پر فریفتہ رہتے ہیں۔ (۹۴)

۹۴۔ مقالات زاوریہ: ص ۴۱۸، ۴۱۷

۔ تصوف کی حقیقت اور اہمیت نیز شریعت اسلامی میں اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حضرت مجد دالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شریعت کے تین جزو ہیں۔ا۔علم ۲۔عمل اور ۳۔اخلاص۔جب تک یہ تینوں جز ثابت نہ ہو جائیں اس وقت تک (حقیقت میں شریعت ثابت نہیں ہوتی اور جب (حقیقت میں) شریعت ثابت ہوگئی تو حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوگئی جو دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں سے افضل ہے۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ (۹۵)

اور اللہ کی رضا سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔

پس شریعت تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں کی ضامن ہوئی۔کوئی بھی مقصد نہیں جس کے حاصل کرنے میں شریعت کے ماسوا کسی اور چیز کی ضرورت پیش آئے۔طریقت اور حقیقت کہ جس کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں، شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں۔پس ان دونوں کے حاصل کرنے سے مقصود شریعت کا کامل کرنا ہے نہ کہ شریعت کے سوا کوئی اور امر ہے۔

احوال و مواجید (وجد و حال) علوم و معارف جو کہ صوفیائے کرام کو راہ سلوک طے کرنے کے دوران حاصل ہوتے ہیں (اصلی) مقاصد میں سے نہیں بل کہ وہم و خیالات ہیں جن سے طریقت کے طلبا کی تربیت کی جاتی ہے۔ان سب سے گزر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہیے۔جو کہ جذبہ و سلوک کے مقامات میں آخری مقام ہے کیوں کہ طریقت و حقیقت کی منزلیں طے کرنے سے اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے کہ اخلاص حاصل ہو جائے جو کہ حق تعالیٰ کی رضا (خوشنودی) حاصل ہونے کے لیے لازمی ہے۔

تینوں قسم کی تجلیات (یعنی تجلیات افعالیہ، صفاتیہ اور ذاتیہ) اور عارفانہ مشاہدات سے گزر کر ہزاروں سالکوں میں سے کسی ایک کو اخلاص اور مقام رضا کی دولت نصیب فرماتے ہیں۔کم سمجھ لوگ احوال و مواجید کو اصلی مقاصد میں سے شمار کرتے ہیں اور مشاہدات و تجلیات کو اصل مطلب خیال کرتے ہیں۔اس لیے وہ وہم و خیال کی بندش میں پھنسے رہتے ہیں اور شریعت کے کمالات سے محروم رہتے ہیں:

۹۵۔التوبہ:۷۲

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ (۹۶)

مشرکین کو یہ بات جس کی طرف ان کو بلایا جاتا ہے بڑی بھاری اور مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف جذب کرلیتا ہے اور اسی کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

ہاں! اخلاص کے مقام کا حاصل ہونا اور رضا کے مرتبے تک پہنچنا ان احوال و مواجید کے طے کرنے پر موقوف اور ان علوم و معارف کے ساتھ وابستہ ہے۔ پس یہ سب امور مطلوب حاصل کرنے کے وسائل اور مقصود تک پہنچنے کے ابتدائی اسباب ہیں (۹۷)

خلاصہ یہ کہ دوسرے دینی شعبوں کی طرح تصوف بھی دینِ اسلام کا ایک اہم ترین شعبہ ہے۔ اس کی بنیاد قرآن کریم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کا تعامل ہے۔ جس طرح دوسرے دینی شعبے صحابہ کرام کے بعد مرتب ہوئے اسی طرح تصوف بھی صحابہ کرام کے بعد تابعین اور ان کے بعد کے زمانوں میں منظم و مرتب ہوا۔ تصوف میں بیعت بہت اہم ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مختلف مواقع پر مختلف امور کے لیے بیعت لی۔ صوفیوں کے ہاں بھی یہ ہی بیعت رائج ہے۔ وہ بھی عموماً گناہوں سے توبہ اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے اور ممنوعات سے بچنے کے پختہ ارادے کی بیعت لیتے ہیں۔

اگرچہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے میں اصطلاحاً تصوف نہیں تھا مگر تصوف میں جو کام کیے جاتے ہیں وہ سب کام اس وقت بھی ہوتے تھے۔ احادیث میں اذکار و اوراد اور مختلف اوقات کی دعائیں مثلاً صبح کی دعائیں، دوپہر کی دعائیں، شام کی دعائیں، رات کی دعائیں، سونے جاگنے کی دعائیں اور کھانے کی دعائیں مذکور ہیں۔ قرآن کریم میں بھی بے شمار اذکار و ادعیہ آئی ہیں۔ یہ سب تصوف ہے۔ بے شک اصطلاح کے اعتبار سے یہ تصوف نہ ہو مگر عمل کے اعتبار سے یہ سب تصوف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ سوتے وقت کچھ دعائیں پڑھتے تھے، بیدار ہونے پر بھی کچھ دعائیں پڑھتے تھے۔ جب رات کو اٹھتے تب بھی کچھ دعائیں پڑھتے تھے۔ غرض احادیث میں بے شمار

۹۶۔ الشوریٰ: ۳۶

۹۷۔ مکتوبات مجدد الف ثانی: دفتر اول، مکتوب ۳۶

اذکار اور اوراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ نیز آپ نے بعض اوراد کی تعداد متعین فرمائی اور بعض کی کوئی تعداد د متعین نہیں فرمائی۔

انسانی اعمال اور اخلاق و کردار صحبت سے بہت جلد متاثر ہوتے ہیں۔ صحبت اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی۔ اچھی صحبت کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بری صحبت کے برے اثرات۔ اچھی صحبت کی ضرروت و اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ صدیق کے معنی میں بہت وسعت ہے۔ اعمال اقوال دونوں کی سچائی اس میں داخل ہے۔ مثلاً آدمی جب زبان سے کوئی بات کہے تو سچ کہے اور کسی سے کوئی وعدہ کرے یا قول و قرار کرے تو اس کو ہر حال میں پورا کرے۔ یہ دونوں باتیں ایمان کی بڑی نشانیاں ہیں۔

آج کل پوری دنیا بے اطمینانی اور بے سکونی کا شکار ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کو زندگی کی ہر آسائش میسر ہے مگر وہ عام طور پر قلبی اطمینان و سکون سے محروم ہیں۔ سکون قلب کی تلاش میں دن رات مارے مارے پھر رہے ہیں مگر ان کی بے سکونی اور بے قراری کا کوئی مداوا نہیں۔ اس کا حل صرف اسلام اختیار کر کے کثرت سے اللہ کو یاد کرنے میں ہے۔

انسان کا دل اس کے جسم کا بادشاہ اور تمام اعضا کا سردار ہے۔ جس طرح نیک بادشاہ کی رعایا نیک ہوتی ہے، اسی طرح جسم کے بادشاہ یعنی دل کے درست اور صالح ہونے سے اس کے جسم کے اعضا کا بھی صالح اور درست ہوں گے اور اللہ کے احکام کی پابندی کریں گے۔ قلب کا انسانی ہدایت اور گم راہی سے گہرا تعلق ہے۔ جب تک دل صحیح اور صالح رہتا ہے تو انسان بھلائی کے کام کرتا ہے۔ جب اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو اس سے اس کے اعمال و افعال میں بھی فساد اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یہ گناہوں سے بالکل سیاہ ہو کر برائیوں کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔ گناہوں اور خطاؤں سے دلوں پر زنگ آجاتا ہے۔ جس طرح زنگ لوہے کو مٹی بنا دیتا ہے، اسی طرح گناہوں کے زنگ سے دلوں کی وہ صلاحیت ختم ہو جاتی ہے جس سے وہ حق و باطل میں تمیز کر کے حق کو قبول کرتے ہیں۔ انسانی جسم پر لگنے والی ظاہر نجاست اور میل کچیل، صابن اور پانی وغیرہ سے دور کی جاتی ہے۔ دل کی میل کچیل، موت کو کثرت سے یاد کرنے، قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور اللہ کو یاد کرنے سے دور ہوتی ہے۔ جب دل صاف و شفاف ہو جاتا ہے تو اخلاص کی یہ دولت اعمال صالحہ سے دل میں انوار پیدا ہوتے ہیں، جن کے نتیجے میں اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔[۱]